(۷۸)

رسول کی اطاعت دراصل خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے

(فرمودہ ۳۰۔ جولائی ۱۹۱۵ء)

حضور نے تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [1]

اس کے بعد فرمایا:۔

بدی اور گناہ کے مرتکب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک تو ایسے ہوتے ہیں جو بدی کو بدی سمجھتے ہی نہیں اور ایک وہ جماعت ہوتی ہے جو بدی کو بدی سمجھ کر اس کی مرتکب ہوتی ہے۔ بدی کو بدی نہ سمجھنے والے لوگ تو غیر مذاہب والے ہیں کیونکہ بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جو خدا تعالیٰ کے سچے اور آسمانی مذہب میں گناہ اور بدیاں ہیں لیکن ان کے مذہب میں جائز اور روا ہیں۔ مثلاً بعض مسیحی صاحبان شراب پیتے ہیں اور یہ ان کے مذہب میں جائز ہے حتّٰی کہ ان کی بعض عبادتوں میں اس کے پینے کا حکم ہے اس لئے یہ جب شراب کا استعمال کریں گے تو بُرا سمجھ کر نہیں کریں گے بلکہ جائز اور مذہبی حکم سمجھ کر کریں گے لیکن اگر کوئی مسلمان اس کا استعمال کرے گا تو بدی سمجھ کر کرے گا اسی طرح اور بعض ایسے گناہ ہیں جو ہر مذہب میں گناہ ہیں مگر بعض کو ان کا علم نہیں ہوتا ایسی حالت میں وہ اس کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ بہت سی بدیاں مسلمانوں میں رائج ہیں مگر جہالت کی وجہ سے جائز اور کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ مثلاً گیارہویں دینا، نیاز اور پیر کا بکرا چڑھانا۔ ان باتوں کو وہ پسندیدہ سمجھتے ہیں۔ تو ایک بدیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو بدی سمجھ کر ارتکاب نہیں کیا جاتا اس قسم کی بدیاں بھی ضرور ضرر رساں ہیں مگر ایک حد تک قابل چشم پوشی بھی ہیں۔ بلحاظ اس کے کہ یہ بدیاں ہیں نقصان ضرور پہنچائیں گی اور بلحاظ اس کے کہ وہ جسم اور روح کیلئے مضر اور نقصان دہ ہیں انسان کیلئے ضرور تکلیف دہ ثابت ہوں گی لیکن ان کا جرم جو ہے وہ خدا کے حضور میں ایک حد تک قابل معافی ہے کیونکہ اس بات کی ان کو سزا نہیں ملے گی کہ تم نے خدا کے حکم کو جان بوجھ کر کیوں توڑا۔ وہ انسان بھی دکھ پائے گا جس نے کسی بدی کو جان بوجھ کر نہ کیا کیونکہ جو زہر کی پُڑ یا کھائے گا مرے گا خواہ جان بوجھ کر نہ کھائے۔ لیکن اگر وہ لوٹ پوٹ ہو کر بچ جائے تو گورنمنٹ اس کو اس لئے سزا نہیں دے گی کہ تم خودکشی کے فعل کے مرتکب ہوئے ہو کیونکہ اس نے جان کر ایسا نہیں کیا۔ پس خودکشی جو دنیاوی اور الٰہی حکومتوں کا جُرم ہے اگر غلطی سے زہر کھانے کے نتیجہ میں ہو اور اگر ایسا شخص آخر میں بچ جائے گا تو دنیاوی حکومت اسے سزا نہ دے گی اور اگر مر جائے گا تو الٰہی حکومت اسے مجرم نہ سمجھے گی لیکن اگر کوئی جان بوجھ کر خودکشی کا ارتکاب کرے گا اور بچ جائے گا تو یہ حکومت اُسے سزا دے گی اور اگر مر جائے گا تو اگلی حکومت اسے مجرم ٹھہرائے گی کیونکہ ایک سزا بغاوت کی سزا ہوتی ہے اور ایک فعل کے نتیجہ میں سزا ملتی ہے۔ اس لئے کہ اس نے جان بوجھ کر نہیں کیا، اسے نقصان نہیں پہنچے گا مگر اس لئے کہ جو اس نے غلطی کی ہے اس کا خمیازہ اُٹھائے اسے تکلیف ہوگی اور غلطی کی وجہ سے چونکہ اس کے دل پر زنگ لگ گیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ علاج کیا جائے۔ یہ ایک قسم گناہوں اور گناہ کرنے والوں کی ہے دوسری قسم کے گناہ کرنے والے ایسے ہوتے ہیں جو جان بوجھ کر بدی کرتے ہیں ان لوگوں کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) ایک وہ جو گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں اور جب ان سے اس کے متعلق پوچھا جائے تو اقرار کر لیتے ہیں کہ واقعی ہم اس بدی کے مرتکب ہوتے ہیں مگر مجبور ہیں کمزوریوں کی وجہ سے اس فعل بد سے بچنے کی طاقت نہیں ہے۔

(۲) وہ جو بدی کو بدی سمجھ کر کرتے ہیں اور پھر اس بدی کو نیکی ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اس پر اصرار اور ضد کر کے اپنی خجالت اور شرمندگی کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ پہلی

قسم کے لوگوں سے زیادہ ضرر رساں ہوتے ہیں کیونکہ پہلی قسم کے لوگ صرف اپنے نفس کیلئے ہلاکت اور تباہی کا ہی باعث نہیں ہوتے ہیں بلکہ بہتوں کیلئے ہدایت کا موجب بھی ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ:۔

''من نہ کردم شما حذر بکنید''

یعنی میں نے تو اپنی جان کو تباہ کر لیا ہے اور کوئی احتیاط نہیں کی مگر تم میری حالت کو دیکھ کر اپنا بچاؤ کا سامان کر لو۔ تو ایسے لوگ گو اپنے نفس کو تباہ کر لیتے ہیں مگر دوسروں کیلئے عبرت اور نصیحت کا موجب بن جاتے ہیں۔ لیکن وہ جو بدی کو بدی سمجھ کر کرتے ہیں اور پھر اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم نے یہ بدی نہیں کی بلکہ نیکی کی ہے ایسے لوگ خدا کے حضور بڑی پکڑ کے قابل ہوتے ہیں کیونکہ یہ نہ صرف اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں بلکہ اوروں کو بھی اپنے ساتھ شامل ہونے کی ترغیب دیتے ہیں اور ان کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں۔

یہ جو میں نے آیتیں پڑھی ہیں ان میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے جو بدی کو بدی سمجھ کر کرتے ہیں اور پچھتاتے نہیں بلکہ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا ہے۔ اگر ہم نے ایک ایسی بات نہیں مانی جو رسولؐ کا اپنا خیال تھا تو کیا ہوا، کوئی خدا کا حکم تو نہیں تھا جس کا ہم نے انکار کیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا مگر اسی لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

ایک احکام ایسے ہوتے ہیں جو قانون کے رنگ میں ہوتے ہیں جنہیں حکومت نافذ کرتی ہے اور چھاپ کر شائع کر دیتی ہے ان کی پابندی کرنے سے سُکھ اور ان کو توڑنے سے دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے۔ لیکن ایک احکام ذمہ دار حُکّام کی طرف سے ہوتے ہیں مثلاً ضرورت کے وقت ڈپٹی کمشنر کی طرف سے یا لیفٹیننٹ گورنر کی طرف سے جاری ہوتے ہیں۔ جو کوئی ان کا انکار کرتا ہے وہ سزا بھی پاتا ہے کیونکہ یہ حاکم مقرر ہی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ اپنے احکام جاری کریں۔ چونکہ حکومت نے ان کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ اور ان کے حکم کو اپنا حکم اور ان کی اتباع کو اپنی اتباع قرار دیا ہے اس لئے ان کے حکم بھی ہر ایک کیلئے قابل قبول ہوتے ہیں اور جو ان کی تابعداری نہیں کرتا وہ سزا پاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب رسولوں کے بھیجنے کی غرض بھی یہی ہے اور یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ ہم نے کوئی رسول بھیجا ہی نہیں مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے تو پھر وہ جو بھی حکم دے اسے ماننا ہوگا اور یہ مت خیال کرو

یہ بندہ کی اطاعت ہے بلکہ یہی سمجھو کہ خدا کی اطاعت ہے کیونکہ اس بندہ کی اطاعت خدا کے حکم کے ماتحت ہے پس وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ اگر انہوں نے غلطی کی تھی تو انہیں چاہیئے تھا کہ بجائے اس کے کہ اصرار کرتے تیرے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور تجھ سے بھی کہتے کہ اے رسول! ہمارے لئے استغفار کر کیونکہ وہ حکم جس کا انہوں نے انکار کیا تھا وہ بھی تیرے ہی واسطہ سے دیا گیا تھا۔

اس آیت کے سیاق سے بھی اور خود اس آیت سے بھی پتہ لگتا ہے کہ یہ حکم رسول کا حکم تھا کیونکہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ الہام احکام جاری ہوتے ہیں ان کے توڑنے والے کو بطور خود استغفار کافی ہوتا ہے۔ رسول کے ذریعہ سے معافی مانگنے کی زائد شرط بتاتی ہے کہ یہ حکم دراصل رسول کا حکم تھا اس لئے براہِ راست معافی کی بجائے رسول کی زندگی میں رسول کے ذریعہ معافی مانگنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ ایسا کرتے تو اللہ بڑا بخشش کرنے والا اور رحیم ہے، انہیں ضرور معاف کر دیتا۔ مگر انہوں نے ایسا کرنے کی بجائے آگے سے کہہ دیا کہ ہم خدا کی طرف سے جو حکم آتے ہیں ان کو مانتے ہیں رسول کے اپنے حُکموں کو ماننے کی ہمیں ضرورت نہیں اس لئے نہیں مانتے۔ فرمایا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ۔ تیرے رب کی قسم! یہ ان کا غلط خیال ہے یہ اُس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ جس بات میں اختلاف ہو جائے اس میں تجھ سے فیصلہ نہ کرائیں۔ یعنی کوئی ایسی بات جس کے متعلق خدا تعالیٰ کا کوئی صریح حکم نہ پایا جاتا ہو، اس میں اگر اختلاف ہو جائے تو انہیں چاہیئے کہ تجھ سے فیصلہ کرائیں۔ اور اگر وہ ایسی باتوں میں تجھے حَكَمْ نہیں قرار دیتے وہ مسلمان ہی نہیں ہیں۔ اور پھر تجھے حَكَمْ ہی قرار نہ دیں۔ یعنی طوعاً و کرہاً تیرے فیصلہ کو قبول کریں بلکہ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ اپنے دلوں میں اس فیصلہ کے متعلق ذرا بھی کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں یعنی انہیں نبی کے فیصلہ پر شرح صدر ہو جائے اور پورے طور پر نبی کی اطاعت کریں۔ یہ حکم ہے رسولوں کی اطاعت کے متعلق جب تک کسی میں ایسی اطاعت نہ پائی جاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیرے رب کی قسم! وہ مسلمان ہی نہیں ہے چونکہ رسول کے حکم کا انکار تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے رسول کے رب کی قسم کھائی ہے یعنی اپنی نسبت رسول

کی طرف دی ہے اور پہلے بھی فرمایا ہے کہ رسول کی وساطت سے اگر وہ گناہ معاف کرواتے تو معاف ہو سکتے تھے اور یہ اس لئے کہ رسول کے حکموں کو توڑنا کوئی معمولی بات نہیں۔

پس یہ سوال بہت گندہ سوال ہے کہ رسول کا یہ حکم الہام ہے یا اس کا اپنا ہے۔ یہی سوال کر کے ایک جماعت تباہ ہو چکی ہے اور وہ چکڑالوی جماعت ہے اور اس سے پہلے متفرق طور پر اور لوگ بھی ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ سوال ہماری جماعت میں بھی پایا جاتا ہے کہ حضرت صاحب نے فلاں بات الہام سے کہی ہے یا یونہی کہی ہے۔ ابھی پرسوں کا ذکر ہے کہ ایک آدمی نے لکھا ہے کہ ایک احمدی غیر احمدی کو لڑکی دینے لگا تھا میں نے اس کو منع کیا اور کہا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا حکم ہے کہ غیر احمدی کو لڑکی نہیں دینی چاہیئے تو اس نے کہا کہ حضرت صاحب نے یہ حکم الہام سے دیا ہے یا خود دے دیا ہے۔ اگر الہام سے ہے تب تو اس کا ماننا ضروری ہے اور اگر نہیں تو اس کے خلاف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن وہ نادان نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق ہے اور خاص آپ ہی کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ مرض اس وقت بھی بعض لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ عام اصول کو خاص کر دیتے ہیں اور خاص کو عام۔ چنانچہ بعض لوگ لَوْ تَقَوَّلَ والی آیت کو خاص کرتے ہیں اور بعض نادان بعض خاص باتوں کو عام کر دیتے ہیں جیسا کہ ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت کے خلاف یہ استدلال کیا ہے کہ چونکہ یحیٰی کیلئے آیا ہے لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۲ پس نبی وہ ہوتا ہے جس کا نام ایسا نام ہے کہ اس سے پہلے کسی کا وہ نام نہ ہوا اور چونکہ یہ بات حضرت مسیح موعودؑ میں نہیں پائی جاتی اس لئے وہ نبی نہیں۔ حالانکہ انبیاء کی جو خصوصیات ہوتی ہیں ان کا پتہ الفاظ سے ہی لگ جاتا ہے۔ یہ عام نشان ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا ہر ایک نبی کی صداقت سے تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ مخالفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتا ہے کہ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۳ کہ اگر یہ جھوٹا دعویٰ کرتا تو ہم اسے پکڑ کر ہلاک کر دیتے اور اس کی رگ جان کاٹ دیتے۔ اس کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق ہے اور کسی کیلئے نہیں تو پھر نبوت کا دعویٰ کرنا ہر ایک کیلئے آسان کام

ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ میرے چہرے پر چونکہ داغ ہے اس لئے میں نبی ہوں۔ اسے کہا جائے کہ یہ کس طرح نبی ہونے کی نشانی ہے تو وہ کہے کہ یہ نشانی خاص میری صداقت کیلئے ہے۔ اگر میں نبی نہ ہوتا تو یہ نشان ہرگز نہ ہوتا قضیہ شخصیہ ہے اس لئے اس نشان کا میرے چہرہ پر ہونا میری نبوت کی صداقت ہے۔

پس اس طرح تو کوئی کاذب بھی جھوٹا نہیں ثابت ہو سکتا۔ پس یہ عام جہالت اور نادانی کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ انبیاء کے متعلق کسی خاص قاعدہ کو عام کیا جائے اور عام کو خاص۔ پس ممکن ہے کہ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ میں بھی کوئی کہہ دے کہ یہ رسول اللہ کے احکام کے ماننے کے متعلق ہے اول تو اس کا خاص کرنا ہی نادانی ہے۔ دوسرے اس کے عام ہونے کے متعلق قرینہ بھی موجود ہے چنانچہ پہلے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یہ ایک عام قاعدہ خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ کوئی بھی نبی نہیں بھیجا گیا مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس پر یہ نتیجہ نکالا ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ پس یہ قضیہ شخصیہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر ایک رسول جو خدا کی طرف سے آتا ہے وہ اپنی دعوتی قوم کا مطاع ہوتا ہے۔

اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے فلاں بات الہام سے کہی ہے یا خود بخود، اسے سوچنا چاہیئے کہ قرآن شریف تو اولوالامر کے حکم کو ماننے کی بھی تاکید کرتا ہے تو کیا وہ ان کے حکموں کو اس لئے مانتا ہے کہ انہیں الہام ہوتا ہے؟ کیا انگریزوں کا حکم اس لئے مانتا ہے کہ وہ الہام سے ہے۔ ذرا مخالفت کر کے تو دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ پس اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر ایک حکم کیلئے الہام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ تو خلفاء کے منکرین کی نسبت فرماتا ہے مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔[۴] کہ جو ان کی اطاعت نہیں کرتا وہ فاسق ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جو امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو امیر کی نہیں کرتا وہ میری بھی نہیں کرتا[۵]۔ پھر بیوی خاوند کا حکم مانتی ہے اور بیوی پر خاوند بغیر الہام حکومت کر سکتا ہے۔ پھر رعیت پر حکام بغیر الہام کے حکومت کر سکتے ہیں مگر (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ) خدا تعالیٰ کے انبیاء کی ہی ایسی گندی رائے ہوتی ہے کہ وہ جو بھی حکم دیں اس کے متعلق پوچھا جائے کہ الہام سے دیتے ہو یا اپنی رائے سے۔ اگر وہ

الہام سے کہیں تو ماننا ضروری ہے اور اگر خود کہیں تو ماننے کی ضرورت نہیں۔بعض نادان اس کی تائید میں بریرہ والی حدیث پیش کرتے ہیں۔میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کوئی حکم حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، وغیرہ جلیل القدر صحابہ کو بھی دیا تھا یا نہیں؟ اگر دیا تھا تو ان کی بھی کوئی ایسی مثال پیش کرو کہ جب انہیں کوئی حکم دیا گیا ہو تو آگے سے انہوں نے کہہ دیا ہو کہ پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ الہام کے ذریعہ ہمیں یہ حکم دیتے ہیں یا خود فرماتے ہیں۔طلحہ، زبیر، سعد، سعید وغیرہ یہ لوگ جو بڑے بڑے درجے رکھنے والے تھے اور جن کے متعلق خدا تعالیٰ کے فعل نے بھی شہادت دے دی کبھی اس طرح کہا ہو کبھی کوئی ان کی نسبت ایسا نہیں ثابت کرسکتا۔اس بات کی تائید میں اگر پیش کیا جاتا ہے تو ایک لونڈی عورت کو جس کی نسبت یہ بھی دیکھنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے کتنی مستفید ہوئی۔اس کا ایمان کیسا تھا، وہ کیسے اخلاص والی تھی۔یہ تو ایک عورت کی شہادت ہے لیکن اگر رسول اللہؐ کے کسی صریح حکم کے خلاف سارے صحابہ بھی اس طرح کرتے تو میں سارے صحابہ کو غلطی پر یقین کرتا۔پس جب سارے صحابہ کے اس قسم کے فعل کو ہم چھوڑنے کیلئے تیار ہیں تو بریرہ کا فعل کیا سند ہوسکتا ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو پوچھا گیا کہ یہ کُرتا آپ نے کہاں سے پہنا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ پوچھنے والا عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، وغیرہ میں سے کوئی نہ تھا اور نہ انہوں نے اس طرح کہا۔کہنے والا ایک بدوی تھا جو معمولی صحابی بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔اگر اس کا یہ کہنا کوئی نیکی اور عمدگی کا کام ہوتا تو ضرور صحابہ کرام سے بھی کوئی کہتا اور اس کے ثواب سے بہرہ اندوز ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔اسی طرح اگر کوئی پیش کردے کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلے میں رسی ڈال کر کہا تھا کہ آپ ان کو آزادی دیں تب میں چھوڑوں گا۔یہ بڑی جرأت اور دلیری کا کام تھا۔وہ تو منافق تھا۔اس کا ایسا کرنا ایک بہت بُرا فعل ہے نہ کہ قابل سند۔تو اس قسم کی باتیں ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے ہی ظہور میں آئی ہیں۔بریرہ ایک ناواقف عورت تھی اس نے اس طرح کہا۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نادانی پر ہنس دیا تو کیا ہوا کبھی کوئی کسی بڑے صحابی کو ایسے فعل کا مرتکب نہیں دکھا سکتا۔پھر خلفاء کے عمل سے کوئی ثابت نہیں کرسکتا۔بلکہ وہاں تو یہی دکھائی دے گا کہ کسی نے رسول اللہ کو کہا کہ آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا تو تلوار لئے کھڑے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں کہ

حکم ہوتو گردن اُڑا دیں۔ یہ کبھی نہیں دیکھا جائے گا کہ انہوں نے کہا ہو کہ فلاں حکم کے متعلق آپ کو الہام ہوا ہے یا نہیں۔ ایسا کہنے والے تمام وہی لوگ ہوں گے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب نہیں ہوئی یا منافقوں کی جماعت کا کوئی ہوگا اور بعد میں بدوی لوگ ہوں گے۔ تو نبی کے حکم کے متعلق الہام کا سوال کرنا ایسے ہی لوگوں کا کام ہے جن کو دین کی واقفیت نہیں یا جن کے ایمان مضبوط نہیں۔ اگر رسول کے ہر ایک حکم کی اطاعت کرنا ضروری نہیں تو خدا تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اگر رسول کے اس حکم کو ماننا تھا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ آئے۔ تو یوں کہنا چاہیئے تھا کہ ہم جو حکم دیتے ہیں اس لئے دیتے ہیں کہ لوگ اس کو مانیں۔ رسول کی اطاعت پر زور دینا ثابت کرتا ہے کہ یہ اطاعت اس اطاعت کے علاوہ ہے جو رسولوں کے الہامات میں ہوتی ہے یہاں جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اس سے رسول کے احکام کی اطاعت مراد ہے۔

ہماری جماعت کے لوگوں کو اس بات سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے۔ یہ ایک سخت گستاخی کا کلمہ ہے اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اور باتیں جانے دو تم لوگوں نے کم از کم یہ تو بیعت میں اقرار کیا ہوا ہے کہ امر بالمعروف کی اطاعت کریں گے اب دو ہی باتیں ہیں ایک یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہر ایک حکم معروف ہے دوسرے یہ کہ نہیں۔ اگر نہیں تو ماننا پڑے گا کہ خدا نے ایسا مسیح موعود بھیجا ہے جس کو امر بالمعروف کا بھی پتہ نہیں۔ اور اگر اس کے احکام امر بالمعروف ہیں تو ان کی تکمیل کرو۔ تم نے بیعت کرتے وقت یہ شرط نہیں کی تھی کہ ہم آپ کی صرف وہ بات مانیں گے جو آپ الہام سے کہیں گے اور یہ ناممکن ہے کہ نبی امر بالمعروف کے خلاف کوئی بات کہے۔ یہ جو شرط ہے کہ ہم امر معروف میں اطاعت کریں گے صرف خدا کے ادب کے لئے ہے جیسا کہ حضرت شعیبؑ نے کفار سے کہا ہے وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۶ کہ میں تمہارے مذہب کو قبول نہیں کر سکتا مگر جو اللہ چاہے (حالانکہ نبی کیلئے غیر ممکن ہے کہ وہ کفار کا مذہب اختیار کرے) تو یہ شرط خدا تعالیٰ کی شان اور جبروت کے لئے رکھی جاتی ہے۔ ورنہ نبی کوئی بات امر بالمعروف کے خلاف نہیں کرتا۔

پس وہ شخص جو کہتا کہ فلاں بات مسیح موعودؑ نے الہام سے کہی ہے یا نہیں اسے یاد

رکھنا چاہئیے کہ ایسا سوال اٹھانے پر فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ کا فتویٰ صادر ہوگا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسیح موعود حَكَمًا ہوگا یعنی مختلف فیہا مسائل میں فیصلے دے گا اور عدلاً ہوگا یعنی جو فیصلہ دے گا وہ عدل وانصاف سے دے گا۔ کیا اگر مسیح موعود کے وہ فیصلے جو الہام کے سوا آپ نے کئے ہیں ماننے ضروری نہیں ہیں اور ان کا ہی ماننا ضروری ہے جو الہام سے ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہاں خدا تعالیٰ کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ عدل کے فیصلے دے گا کیا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خدا مسیح موعود سے پہلے ظلم کے فیصلے دیا کرتا تھا؟ ہر گز نہیں۔پس اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیح موعود خود ایسے فیصلے دیا کرے گا جن پر بحث کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔کیونکہ وہ حکم اور عدل ہوگا اس لئے اس کا ہر ایک فیصلہ عدل اور راستی کے مطابق ہوگا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسیح موعود حَكَمًا عَدْلًا ہوگا پھر تم نے یہ عہد کیا ہے کہ ہم آپ کی معروف میں اطاعت کریں گے تو اگر تم اس کے خلاف کرو گے تو سمجھ لو کہ کس قدر گناہ کے مرتکب ہو گے یہ کوئی چھوٹا سا معاملہ نہیں قرآن کا فیصلہ ہے کہ وہ انسان مومن ہی نہیں۔

پس کیسا افسوس ہے اس انسان پر جو کرے تو بدی لیکن اپنے نفس کیلئے اسے نیکی ظاہر کرے۔ اس کی بجائے تو یہ بہتر ہے کہ وہ کہے کہ مسیح موعود کا یہ حکم تو قابل عمل ہے لیکن میرے اندر یہ کمزوری ہے اس لئے میں اس کی پابندی نہیں کرسکتا اگر ایسا نہیں کہتا تو اس کی وجہ سے جتنے لوگ اس فعل کے مرتکب ہوں گے ان کے گناہ کا بوجھ ان کے سر پر ہوگا۔خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو سمجھ دے کہ وہ رسول کے سب حکموں کو مانیں۔یہ سوال ہمیشہ انہی لوگوں کی طرف سے کیا گیا ہے جن کی فطرتیں گندی ہوتی ہیں، نہ خلفاء میں سے کسی نے کہا ہے نہ صحابہ کبار میں سے نہ مجددین اور اولیاءِ کرام میں سے کسی نے کہا ہے اگر یہ سوال اُٹھا ہے تو عبد اللہ چکڑالوی اور اس کی فطرت کے لوگوں کی طرف سے اٹھا ہے مگر اس کی جو کچھ حالت ہے وہ جاننے والے خوب جانتے ہیں۔خلیفۃ المسیح الاول نے کبھی مسیح موعود سے اس طرح نہیں کہا۔وہ لوگ جنہوں نے حضرت مولوی صاحب کو دیکھا ہے جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی خشیت، تقویٰ اور پرہیزگاری کس قدر آپ میں تھی۔لیکن باوجود اس کے آپ ایک دفعہ سفر کو گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو فرمایا کہ فلاں شہر نہ جانا۔لیکن

بعض حالات ایسے پیش آئے کہ آپ نے اس حکم کی تاویل کی کہ سخت ضرورت کی صورت اس سے مستثنٰی ہے۔ پس آپ کسی مجبوری کی وجہ سے چلے گئے جب واپس آئے تو سخت بیمار ہو گئے احباب علاج کرنے لگے تو فرمایا کہ یہ جو کچھ ہے مجھے معلوم ہے۔ حضرت صاحب کے حکم کے خلاف کرنے کی سزا ہے حضور سے دعا کرائی جائے۔ چنانچہ دعا کرائی گئی اور خدا تعالیٰ نے شفا دے دی۔ تو مسیح موعود کا یہ حکم الہام کے ذریعہ نہ تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے یہ ثابت کرنے کیلئے کہ نبی کے حکم کی ذرا بھی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیئے، جھٹ مؤاخذہ کیا۔ اور اس فوری گرفت کا سبب بھی حضرت مولوی صاحب کے تقویٰ وخشیت کا مقام تھا تا کہ آپ فوری اصلاح فرمالیں۔ اور حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن مشہور قول ہے۔

غرض مولوی صاحب نے کبھی یہ نہیں کہا کہ کیا آپ کو خدا نے یہ حکم وحی کے ذریعہ بتایا ہے اور نہ مولوی عبد الکریم صاحب نے کہا۔ پس یہ کہنے والا دیکھے کہ اس کی روحانیت اسی درجہ کی ہے جیسے نور الدین کی تھی یا نہیں۔ اگر نہیں تو سمجھ لے کہ اسے نفس نے دھوکا دیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو نبی کے تمام حکم سمجھنے کی توفیق دے۔ ایسے آدمی جو اس قسم کے خیالات رکھتے ہیں کبھی ایمانی اور روحانی ترقی نہیں کر سکتے بلکہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ پس تم ایسے عقیدہ سے ڈرو جو اندر ہی اندر گُھن کی طرح کھا جاتا ہے۔ اور انسان بودا ہو کر تباہ ہو جاتا ہے۔ (الفضل ۵۔اگست ۱۹۱۵ء)

۱؎ النسآء: ۶۵، ۶۶ ۲؎ مریم: ۸ ۳؎ الحاقّة: ۴۵ تا ۴۸

۴؎ النُّور: ۵۶

۵؎ بخاری کتاب الجهاد والسیر باب یقاتل من وراء الامام ویتقی به

۶؎ الاعراف: ۹۰

۷؎ بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسٰی بن مریم